بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)



جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبد اللہ خالد قاسمی خیر آبادی

جلد ۲۵

شمارہ ۱۲

رجب ۱۴۴۱ھ

مارچ ۲۰۲۰ء

موبائل فون نمبر

8923235542

زر تعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپے

سالانہ زر تعاون ——— ۱۵۰/روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

نوائے سحر

وبائی امراض میں شرعی ہدایات

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

دنیا اس وقت کئی مُہلک وائرس (بیماری پھیلانے والے جراثیم) کا سامنا کررہی ہے، ان میں سے اکثر جان لیوا ثابت ہوتے ہیں، انھیں میں سے ایک اور خطرناک وائرس ’’کرونا‘‘ نے دنیا کو دہشت زدہ کردیا ہے، ماضی میں ایسی مُہلک وباؤں کا شکار اکثر پسماندہ اور غیر ترقی پزیر ممالک ہوتے تھے، لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس بار اولین مرحلے پر ترقی یافتہ ممالک اس کا شکار ہوگئے ہیں اور ان میں سے چین سب سے زیادہ متاثر ہے۔ جاپان، تھائی لینڈ، سنگاپور، تائیوان، کینیڈا، جرمنی اور کسی حد تک امریکا بھی اس کی زد میں ہے، یعنی وہاں اس وائرس کی تصدیق ہوچکی ہے، کرونا وائرس کی نصف درجن سے زائد اقسام دریافت ہوچکی ہیں، جب اس کا خوردبین سے جائزہ لیا گیا تو یہ نصف دائرے کی شکل میں نظر آیا اور کنارے پر ایسا ابھار نظر آیا جو تاج کی شکل کے مشابہ ہے، رومن زبان میں تاج کو کراؤن کہتے ہیں، اسی بنا پر اس کا نام کرونا رکھ دیا گیا ہے، اب تک زیادہ تر جاندار مثلاً: خنزیر اور مرغیاں اس سے متاثر ہوتے رہے ہیں، لیکن اب یہ وائرس اپنی شکل بدل کر انسانوں کو متاثر کررہا ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں کرونا وائرس کا نام دنیا نے پہلی بار سنا اور اب تک اس کی ۱۳؍قسمیں سامنے آچکی ہیں، ان میں سے سات اقسام انسانوں میں منتقل ہوکر انہیں متاثر کرسکتی ہیں۔

صحت کے عالمی ادارے کے مطابق وائرس کا شکار ہونے سے دو ہفتے کے اندر اس کی علامات سامنے آتی ہیں، چینی محکمہ صحت نے ووہان سے نمودار ہونے والے وائرس کا جینوم

(جینیاتی ڈرافٹ) معلوم کر کے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، اب تک اس کی کوئی اینٹی وائرل دوا یا ویکسین دریافت نہیں ہوسکی، ماہرین اس کی ظاہری علامات کے مطابق ہی اس کا علاج کر رہے ہیں۔

تحقیق کرنے والوں نے بتایا کہ یہ وائرس خنزیر، چمگاڈر اور اسی طرح کے دوسرے ناپاک جانوروں کو کھانے سے انسانوں میں منتقل ہوتا ہے، یہ وائرس اس لئے بھی بہت خطرناک ہے کہ یہ ایک دوسرے تک منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس وائرس سے انسانوں میں سانس لینے کی دقت کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور پھیپھڑوں میں سوجن پیدا ہوتی ہے، نزلہ اور زکام پھر تیز بخار سے اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور پھر انسان آناً فاناً لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

صحت کے ماہرین کی بتائی ہوئی حفاظتی تدابیر پر عمل کرنا لازم ہے، چونکہ اس مرض کا تعلق سانس سے ہے، اس لیے ایسی امراض کے بچاؤ کے لیے منہ اور ناک پر ماسک پہننے کا مشورہ دیا جاتا ہے تاکہ کسی مریض سے سامنا ہو تو وائرس کی زَد سے بچ سکیں، لازم نہیں ہے کہ ہر شخص مرض کے وبائی اثرات کا شکار ہو جائے، جیسے بعض متعدی امراض ایک گھر میں داخل ہو جاتے ہیں، اور تقدیر الٰہی سے بعض کو تو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور وہ فوت ہو جاتے ہیں اور بعض دیگر افراد ان سے محفوظ رہتے ہیں، عالمی ادارہ صحت نے اس ضمن میں باتصویر ہدایات جاری کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے: بار بار اچھے صابن سے ہاتھ دھوئیں، نزلہ اور زکام کے مریضوں سے دور رہیں، کھانستے اور چھینکتے وقت منہ اور ناک کو ڈھانپیں، جانوروں سے دور رہیں، کھانا پکانے سے قبل اور بعد میں ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئیں، کھانا اچھی طرح پکائیں اور اسے کچا نہ رہنے دیں، کسی کی بھی آنکھ، چہرے اور منہ کو چھونے سے گریز کریں۔ جو شخص پانچ مرتبہ دن میں نماز کا اہتمام کرتا ہے اور کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کی سنت پر عمل کرتا ہے، اس کے لیے ان تدابیر پر عمل کرنا آسان ہے۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی سامنے رہے کہ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا و لکن الناس انفسھم یظلمون (یونس: ۴۴) یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو پریشانیوں میں مبتلا نہیں فرماتے، لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے خود گرفتار بلا ہوتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیماریوں اور پریشانیوں کا ایک سبب انسانوں کی بداعمالیاں اور کھلے عام گناہوں میں ملوث ہونا بھی بتایا گیا ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا**۔ ''جب کبھی کسی قوم میں فحاشی کا رواج بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کرنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کے درمیان طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گذرے ہوئے اسلاف کے زمانے میں موجود نہیں تھیں''۔ (ابن ماجہ حدیث، نمبر ۴۰۱۹) آج دنیا میں نئی نئی بیماریاں سامنے آرہی ہیں بہت سی بیماریاں تو ایسی ہیں جن کا پہلے نہ کوئی تصور تھا، نہ ان کا نام کہیں سنا گیا تھا، آج بیماریاں بستی بستی پھیل گئی ہیں اور ان میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد روز بڑھ رہی ہے۔ ان تمام ہی بیماریوں کو مذکورہ بالا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ دنیا میں جس رفتار سے فحاشی بڑھ رہی ہے اسی رفتار سے ان بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

یہ تو اللہ کا بہت ہی کرم ہے اور اس کی شان رحمت ہے کہ آج انسان سرتاپا گناہوں میں ڈوبا ہونے کے باوجود اللہ کی گرفت سے محفوظ و مامون ہے۔ حدیث شریف میں موجود ہے: **مَا اخْتَلَجَ عِرْقٌ وَلَا عَيْنٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَمَا يَدْفَعُ اللهُ عَنْهُ أَكْثَرُ** (المعجم الصغیر ۲/ ۲۱۶) انسان کو کوئی جسمانی نقصان اور بیماری اس کے گناہوں کی وجہ سے ہی پہونچتی ہے، اور اللہ تعالیٰ گناہوں کے باوجود جن بیماریوں کو اس سے روک لیتا ہے وہ پہونچنے والی بیماریوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔

اس لئے ظاہری تدابیر اور علاج کے ساتھ ساتھ گناہوں اور معاصی سے اجتناب کا

عزم مصمم اور اللہ رب العزت کے حضور نیاز مندی کے احساس کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام یہ مستقل طور پر رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے، اللہ کی رحمتوں کے سایہ میں رہ کر انسان بیماریوں اور ہر طرح کی مصیبتوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

انسانیت کے سب سے بڑے محسن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے: **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي، اللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي.** (ابن ماجۃ رقم: ٥٠٧٤)

”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا طلب گار ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے عفوودرگزر، اپنے دین و دنیا، اہل وعیال اور مال میں عافیت کی التجا کرتا ہوں، اے اللہ! ہماری ستر پوشی فرما، ہماری شرمگاہوں کی حفاظت فرما اور ہمیں خوف وخطرات سے محفوظ اور مامون فرما، اے اللہ! تو ہمارے آگے اور پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے، اوپر سے حفاظت فرما اور میں اس بات سے تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اچانک اپنے نیچے سے پکڑ لیا جاؤں۔

اسی کے ساتھ ساتھ جب بھی کسی کے بارے میں سنیں کہ اسے کوئی متعدی بیماری ہے، تو یہ دعا ضرور پڑھیں۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ، وَالْجُنُونِ، وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ.

(ابوداود، رقم: ١٥٥٤)

اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي بَدَنِي، اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي سَمْعِي، اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي بَصَرِي، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ. (ابوداود، رقم: ٥٠٩٠)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح کے اعمال کی توفیق بخشے۔ آمین

درسِ قرآن

تیسری قسط

لباس کیسا ہو؟

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہرعلوم سہارنپور

یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ذٰلِکَ مِنْ اٰیَاتِ اللہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ۔ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا اِنَّہٗ یَرٰاکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیَاطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (الأعراف:۲۶-۲۷)

اے اولادِ آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار، بدن کو چھپاتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے، اور تقوی کا لباس، اس سے بڑھ کر ہے، یہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ تمہارے دادا، دادی کو جنت سے باہر کرادیا، ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروادیا تا کہ ان کے پردے کا بدن دکھلائی دینے لگے۔

شانِ نزول

زمانۂ جاہلیت میں قریش کے علاوہ، باقی لوگ ننگے طواف کرتے تھے، مرد حضرات دن میں اور عورتیں رات میں، ااور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ان کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف کرنا ادب کے خلاف ہے لانطوف في ثوبٍ عَصَینا اللہ (البغوی ۱/۲۹۹)

اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لباس کا استعمال کرو، ہم نے پردہ پوشی کے لئے لباس عطا کیا ہے۔

تشریح وتوضیح

اللہ تعالی نے تمام اولادِ آدم کو یہ بتایا کہ ہم نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے،

ان میں سے ایک بڑی نعمت لباس بھی ہے، پھر لباس کی قسمیں، فوائد اور مقاصد بتائے۔

ممنوع لباس:

مذہب اسلام ایک کامل ومکمل مذہب ہے اس نے کھانے، پینے، سونے، ودیگر تمام انسانی ضروریات وحاجات کے بارے میں پوری پوری رہنمائی کی ہے۔ لباس کے سلسلہ میں بھی رہنمایانہ اصول بتائے گئے ہیں، عورت کے لئے کتنا لباس ضروری ہے اور مرد کے لئے لباس کی کیا حد ہے، یہ بھی بتا یا گیا ہے۔ چنانچہ مرد کے نیچے کے حصہ میں استعمال ہونے والے کپڑے، تہ بند، لنگی، پاجامہ، پینٹ، بیل باٹم، جینس کے لئے یہ ضابطہ بتایا کہ لنگی اور پاجامہ وغیرہ نصف پنڈلی تک رکھنا چاہئے،

تھوڑا اور نیچے یعنی ٹخنے سے اوپر تک کی بھی گنجائش ہے لیکن ٹخنے سے نیچے رکھنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہونگے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوتے ہوئے سنا کہ مومن کا لنگی پہننا اس کی نصف پنڈلیوں تک ہے، اگر پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر اس سے بھی نیچے ہے تو جسم کا وہ حصہ آگ میں ہے (اگرچہ صرف ٹخنے سے نیچے کے حصہ کے جہنم میں ہونے کی بات کی گئی ہے مگر جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے کیونکہ جہنم میں جانے میں تجزی نہیں گویا تمام جسم کا جہنم میں جانا مراد ہے تحفۃ القاری ۱۰/۵۵۱) یہ تین مرتبہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غرور کے ساتھ، لنگی گھسیٹنے والے کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے۔

عن ابی سَعِید الْخُدْرِيّ قال: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ، وَلَا حَرَجَ اَوْ لَا جُنَاحَ - فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ، مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ (ابوداؤد۔حدیث ۴۰۹۳)

دنیا میں عذاب:

دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں، مگر بعض گناہ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی ناراضگی ہے کہ دنیا میں بھی ان کے کرنے والے پر عذاب نازل کر دیتے ہیں، ٹخنے سے نیچے ازار، تہبند، پاجامہ، پینٹ لٹکانا بھی ایسا ہی گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے پر عذاب نازل کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک شخص تکبر کی وجہ سے اپنی لنگی گھسیٹتے، ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر چل رہا تھا چنانچہ وہ زمین میں دھنسا دیا گیا، اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

بعض لوگوں نے اس کا مصداق قارون کو بتایا ہے اس لئے کہ قارون نے ایک جوڑا پہن کر اتراہٹ کا مظاہرہ کیا تو اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا چنانچہ وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔

ملا علی قاریؒ جو ایک عظیم محدث ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ''رجل کو'' مبہم ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قارون کے علاوہ کوئی اور ہے کیونکہ اگر اس سے قارون مراد ہوتا تو اس کا ذکر صراحتا ہوتا۔

عن ابْنَ عُمَرَ، حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلاَءِ، خُسِفَ بِهِ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الارْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (صحیح بخاری: ۳۴۸۵)

اخروی عذاب:

لنگی یا دوسرا کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا نہایت قبیح عمل ہے، بلکہ جہنمی لوگوں جیسا عمل بتایا ہے، اور ٹخنوں سے نیچے کپڑے سے جتنا حصہ ڈھکا رہے گا وہ حصہ جہنم کی آگ میں جلے گا، اور جس طرح لنگی وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہے یہی حال قمیص، شیروانی، جبہ وغیرہ کپڑے کا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جتنی لنگی ٹخنوں سے نیچے ہے، بدن کا اتنا حصہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ عليه وسلم قال:ما اسفل من الكعبين من الازار فی النار۔(رواہ البخاری۔حدیث ۵۷۸۷)

مسئلہ:

اگرٹخنوں سے نیچے لنگی تکبر اور اتراہٹ کی بنا پر ہے تو حرام ہے اور وعید اسی صورت میں ہے، اور اگر لاعلمی یا بے توجہی کی وجہ سے ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

لباس کی صفائی:

بہت سے لوگ صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتے، گندے میلے کچیلے رہتے ہیں، اور اس کو سادگی سمجھتے ہیں جبکہ یہ نہ سادگی ہے نہ تواضع، بلکہ یہ تعلیماتِ اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔

نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم طبعا طہارت ونظافت پسند تھے، اگر کسی کو اس کے برخلاف پاتے تو اس کو ٹوکتے، تنبیہ کرتے، تعلیماتِ اسلامی سے نا آشنا، گاؤں کے بعض باشندے اتنی کریہہ اور گندی شکل بنائے رکھتے ہیں کہ پاس بیٹھے، نظافت پسند آدمی کے لئے کسی سزا سے کم نہیں ہوتا، اس سے دوسروں کو ایذا بھی ہوتی ہے، قومِ مسلم بھی بدنام ہوتی ہے کہ مسلمان اتنے گندے ہوتے ہیں اور مذہب بھی بدنام ہوتا ہے۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس جائزہ لینے کے لئے تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملی ہے جس سے یہ اپنے سر کو درست کرلے، پھر آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے کپڑے میلے کچیلے ہیں آپ نے فرمایا: کہ اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی ہے جس سے یہ اپنے کپڑے دھولے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ قَالَ: أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى رَجُلًا ثَائِرَ الرَّأْسِ فَقَالَ: أَمَا يَجِدُ هَذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ شَعْرَهُ(نسائی ۵۲۳۶)

انوار حدیث

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہرعلوم سہارنپور

عن المهاجر بن عكرمة أن عبدالله بن أبي بكر حدثه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لا يَحِلُّ لرجل يؤمن بالله واليوم الآخر أن يَجْلِدَ فوق عشرةِ أسواطٍ إلا في حدٍّ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۸/۳۲۸)

مہاجر بن عکرمہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی بکر نے ان سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، یہ حلال نہیں کہ وہ دس کوڑے سے زیادہ مارے سوائے حد کے اندر۔

یہ مرسل حدیث ہے اس کے لئے شاہد کتب ستہ کے اندر ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ **كان النبى صلى الله عليه وسلم يقول: لا يُجلَدُ فوق عشر جلدات إلا في حد من حدود الله** (بخاری ۲/۱۰۱۲، مسلم ۲/۷۲)

اس حدیث شریف میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جہاں شریعت کی طرف سے کوئی متعین حد نہ ہو وہاں تعزیر میں دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارا جائے گا۔

تعزیر کا مقصد اور مقدار

تعزیر مطلق تأدیب کو کہا جاتا ہے اور شریعت میں تعزیر حد سے کم درجہ کی تأدیب کو کہتے ہیں، اور تعزیر کا مقصد زجر ہے اور لوگوں کے احوال اس میں مختلف ہیں، کوئی معمولی تنبیہ سے باز آجاتا ہے اور کسی کو مار پیٹ اور قید تک کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے علماء کا تعزیر کی مقدار میں اختلاف ہوا، امام احمد اور بعض علماء نے مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر یہ کہا کہ تعزیر میں دس

کوڑے سے زیادہ نہیں مارے جائیں گے، جب کہ صحابہ وتابعین کی ایک جماعت اور جمہور علماء دس کوڑے سے زیادہ کے جواز کے قائل ہیں، احناف کے یہاں اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ تعزیر کی مقدار حد کو نہیں پہونچنی چاہئے اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :من بَلَغَ حدّاً في غير حدٍّ فهو من المُعْتَدِين (الکبریٰ للبیہقی ۸/۳۲۷) حد کے علاوہ میں جو حد کی مقدار کو پہونچے تو وہ زیادتی کرنے والوں میں سے ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے حد سے کامل حد یعنی آزاد کی حد مراد لی، اس لئے اس سے ایک کوڑا کم یعنی اناسی (۷۹) کوڑے اور دوسری روایت میں پچھتر (۷۵) کوڑے جرم کے لحاظ سے مارے جاسکتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ نے حد سے غلام کی حد مراد لی، لہٰذا تعزیر میں زیادہ سے زیادہ انتالیس (۳۹) کوڑے مارے جاسکتے ہیں اور اسی میں احتیاط ہے۔

تعزیر کے وجوب کا سبب اور شرط

تعزیر کے وجوب کا سبب کسی ایسی جنایت کا ارتکاب کرنا جس کی شریعت میں کوئی متعین حد نہ ہو، خواہ وہ جنایت (جرم) حقوق اللہ سے متعلق ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ چھوڑ دینا، یا وہ جرم بندوں کے حقوق سے متعلق ہو بایں طور کہ وہ کسی مسلمان کو ناحق اپنے فعل سے یا ایسے قول سے اذیت پہونچائے جس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہو جیسے کسی کو خبیث، فاسق، چور، کافر، فاجر، سود خور اور شرابی کہہ کر پکارے تو ایسی صورت میں تعزیر واجب ہوگی، کیونکہ اس نے دوسرے کے ساتھ عار کو لاحق کیا ہے اب اس کی بات کو کچھ لوگ جھوٹ سمجھیں گے تو کچھ سچ، اس لئے اب عار کو دور کرنے کے لئے تعزیر کی جائے گی، اور اگر ایسی باتوں کے ساتھ متہم کیا ہے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا مثلاً کسی سے کہے ''او گدھے''، ''اے بیل''، ''او خنزیر'' وغیرہ تو اس میں تعزیر نہیں ہے، کیوں کہ ایسا کہہ کر اس نے جھوٹ کا عار اپنے ہی اوپر لگایا ہے۔

وجوب تعزیر کی شرط صرف عقل ہے، لہٰذا ہر عقل مند کو جس نے قابل تعزیر جنایت کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، مسلم ہو یا غیر مسلم، بالغ ہو یا نابالغ، اسی طرح جو بچہ سمجھ

دار اور عقل مند ہو ان سب کی تعزیر کی جائے گی، کیوں کہ یہ عقوبت اور سزا کے اہل ہیں، البتہ نابالغ سمجھ دار بچہ اس کی تعزیر تأدیب کے طور پر کی جائے گی، سزا کے طور پر نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :**مُرُوا الصبي بالصلاۃ إذا بلغ سبع سنین و إذا بلغ عشر سنین فاضربوہ علیھا** (ابوداود ۱/ ۷۰) تم لوگ بچے کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کا ہو جائے اور جب وہ دس سال کا ہو جائے تو اس کو نماز چھوڑنے پر مارو۔ تو بچہ کو نماز چھوڑنے پر مارنا تأدیب کی خاطر ہے سزا کے طور پر نہیں، اس لئے کہ سزا جنایت پر ہوتی ہے اور بچہ غیر مکلف ہے اس لئے اس کے فعل کو جنایت سے متصف نہیں کیا جائے گا، البتہ مجنون اور غیر عاقل بچہ دونوں عقل نہ ہونے کی وجہ سے نہ سزا کے اہل ہیں اور نہ تأدیب کے۔ (بدائع الصنائع ۵/ ۵۳۴)

حدیث کا جواب

جمہور جو دس کوڑے سے زیادہ تعزیر میں مارنے کے قائل ہیں ان کی طرف سے حدیث کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے، کیوں کہ صحابہ نے دس سے زیادہ کوڑے تعزیر میں لگائے ہیں اور مالکیہ نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ اس وقت جنایت کرنے والے کے لئے اتنی مقدار کافی تھی، لیکن نووی نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا ہے (شرح مسلم ۲/ ۷۲)

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اور اس کے نسخ کی دلیل صحابہ کا اجماع ہے، اور اس جواب کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ اس کے بعض تابعین قائل ہیں اور یہ لیث بن سعد کا قول ہے جو فقہائے امصار میں سے ایک ہیں۔ (فتح الباری ۱۲/ ۲۱۸)

صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث کسی خاص موجب تعزیر فعل کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اگرچہ اس فعل کو نقل نہیں کیا گیا ہے، ورنہ صحابہ اس کے خلاف نہ کرتے۔ (اعلاء السنن ۱۱/ ۶۸۷)

سوشل میڈیائی مصلحین و مفکرین کے لئے

دعوتِ محاسبہ

مولانا ابو دانیال محمد رضی الرحمن قاسمی

ینبع، مدینہ طیبہ

گزشتہ چند دہائیوں میں ذرائع ابلاغ نے غیر معمولی ترقی کی ہے، اخبار و رسائل سے ہوتے ہوئے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا دور آیا، پھر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے آنے سے ذرائع ابلاغ اس قدر تیز ہو گیا ہے کہ چند دہائیاں قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری سے یقینا بہت سارے فائدے بھی ہوئے ہیں کہ پہلے جن معلومات کے حصول اور ترسیل میں دنوں، ہفتوں، مہینوں؛ بلکہ سالوں گزر جاتے تھے، ان کا حصول اور ان کی ترسیل چند گھنٹوں، چند منٹوں، بلکہ چند پلوں میں ممکن ہو گئی ہے، یقینا یہ بڑا انقلاب ہے اور اس کی وجہ سے بہت سارے کاموں میں بہت زیادہ انرجی اور وقت بچ جاتے ہیں۔

ان جیسے اور دوسرے بہت سارے فائدوں کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری نے اور خاص کر سوشل میڈیا کے بہت زیادہ رواج پا جانے اور ہر عام و خاص کی اس تک بہ سہولت رسائی نے افراتفری کا ماحول اور انفرادی و اجتماعی سطح پر انسانی، مذہبی، سماجی اور اخلاقی ایسے چیلنجز کھڑے کر دیے ہیں، جن کا تصور چند دہائیوں قبل ممکن نہیں تھا اور ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری خاص کر سوشل میڈیا کے بہ آسانی ہر عام و خاص تک رسائی نے اکثر لوگوں کے حق میں ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے، جیسے کہ ناسمجھ بچوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے چھری اور دوسری مہلک چیزیں دے دی جائیں کہ ان چیزوں کا یقینا صحیح استعمال بھی ہے اور انسانیت کو اس کی ضرورت بھی ہے اور اس سے بہت سارے فائدے بھی ہیں؛ لیکن ناسمجھ بچوں کے ہاتھ میں ان کا ہونا نقصان،

تباہی اور ہلاکت و بربادی ہی کا سبب بن سکتا ہے۔

مختلف سروے کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے؛ بلکہ ہر معمولی سمجھ بوجھ والا انسان اپنے اردگرد کے مشاہدے کے ذریعے بھی یہ جان سکتا ہے کہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے صارفین میں ۹۰ فیصد کے آس پاس بے مقصد اور بسا اوقات تباہ کن استعمال کرتے ہیں، اور روزانہ کئی کئی گھنٹے عمر عزیز کے قیمتی اوقات کو ضائع کرتے ہیں؛ حالانکہ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ ''زندگی درحقیقت وقت ہی کا نام ہے جو کہ ہمیں پیدائش سے لے کر موت کے پیچ تک ملتا ہے'' گویا کہ وقت کو ضائع کرنا زندگی کو ضائع کرنا ہے۔

سوشل میڈیا کے اس پھیلاؤ نے ایک اور بڑا مسئلہ یہ پیدا کیا ہے کہ دینی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی، سائنسی، تاریخی اور مختلف میدان میں بزعم خود مصلحین اور مفکرین کا ایک بڑا جتھا اپنے خیال کے مطابق انسانیت کی اصلاح اور اس کو نفع پہنچانے کے لیے سوشل میڈیا پر کمر بستہ ہو گیا ہے۔

ان مصلحین اور مفکرین کی کارکردگی اور چند نمایاں اوصاف یہ ہیں:

۱— یہ اپنے موضوع سے متعلق بلکہ غیر متعلق ہر اہم اور غیر اہم؛ بلکہ لغو قسم کی باتوں کو نقل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا اپنی نہایت ہی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

۲— اپنے موضوع سے متعلق اور غیر متعلق مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا اور ان کے بارے میں اپنی معقول اور نامعقول رائے اور تجزیہ پیش کرنا نہایت ہی اہم فریضہ اور ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

۳— بیہودہ باتوں کو اور ایسی باتوں کو جو لوگوں کی کردار کشی پر مشتمل ہو اور جن میں استہزاء اور مذاق ہو، انہیں بہ زعمِ خود بغرض اصلاح نہایت ہی مخلصانہ طور پر لوگوں کے درمیان پھیلاتے ہیں۔

۴— بدزبانی اور بیہودہ جملوں کا بے دریغ استعمال نہ صرف روا سمجھتے ہیں؛ بلکہ انھیں اپنے لیے باعث عزت وفخر گردانتے ہیں۔

۵ــ ان کی تحقیقی باتوں میں حقیقتاً تحقیق اور صحیح نتیجے پر پہنچنے کی سچی طلب اور جستجو کے بجائے بدگمانی کا عنصر بڑی وافر مقدار میں ہوتا ہے۔

۶ــ ''بغرض اصلاح'' مختلف موقعوں پر اپنی بات کی تائید وتصویب میں جھوٹ، دجل وفریب اور حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا بھی کام کرتے ہیں۔

۷ــ اللہ نے بحیثیت انسان ہر شخص کو عزت وتکریم سے نوازا ہے، یہ اپنے اس طرح کے طرزِ عمل سے جہاں دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہیں اپنی سطحیت اور گری ہوئی سوچ کا اظہار کر کے اپنے آپ کو بڑے پیمانے پر بے عزت کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

جو لوگ ملحد ہوں، دین اور اخلاق دونوں سے عاری ہوں یا مذہب کے پیروکار ہوں؛ لیکن اخلاق سے عاری ہوں، ایسے لوگوں کے حق میں تو صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ عزوجل ان کے اندر دین واخلاق پیدا کرے یا یہ کہ اخلاقی قدروں سے ان کی زندگی کو آراستہ کرے!

درج ذیل معروضات ان سوشل میڈیائی مفکرین ومصلحین کی خدمت میں پیش ہیں، جو نہ تو دین کے منکر ہیں اور نہ ہی ایسے ہیں کہ اخلاقی قدروں کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ سماجی اور عقلی طور پر بھی یہ ایک مبینہ حقیقت ہے کہ وہ شخص جو ہر سنی ہوئی اور اس تک پہنچی ہوئی باتوں کو نقل کرتا ہے اور آگے پہنچاتا ہے، وہ بہت ساری باتوں میں جھوٹا ہوتا ہے یا کسی جھوٹے کا آلہ کار بنتا ہے، اسی حقیقت کو سید الاولین والآخرین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: **كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع**۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۵) کسی انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے یا سوشل میڈیا پر آنے والے ایسے مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا یا ان پر کوئی مختصر یا مفصل تجزیاتی تحریر لکھنا جس کا دینی

ودنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو لغو کام ہے اور ایک مسلمان کو اور اچھے اخلاق کے حامل فرد کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ لغو کاموں میں اپنا وقت اور اپنی طاقت صرف کرے، چنانچہ اللہ عزوجل نے مؤمنوں کے اوصاف میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ لغو کاموں کے پاس سے اعراض کر کے گزر جاتے ہیں: **وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا** (الفرقان:۷۲)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک اچھے مسلمان کی یہ صفت ہی بتائی ہے کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے مکمل طور پر اجتناب واعراض کرے: **من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه**۔ (ترمذی، حدیث نمبر:۲۳۱۷)

تیسری بات یہ ہے کہ بے ہودہ اور فحش باتوں کو پھیلانا نہ تو کسی صاحب ایمان کو زیب دیتا ہے اور نہ ہی اچھے اخلاق کے تقاضوں سے میل کھاتا ہے، قرآن کریم نے فحش اور بیہودہ باتوں اور چیزوں کو پھیلانے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (النور:۱۹)

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان بیہودہ گوئی کرنے والا اور فحش باتیں کرنے والا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

قرآن وسنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسی باتیں جو کسی کے استہزا پر مشتمل ہو، بدترین قسم کا اخلاقی جرم اور صریح ظلم ہے۔ (الحجرات: ۱۱، ابوداود، حدث نمبر: ۴۸۷۵، بخاری، حدیث نمبر: ۳۰)

چوتھی بات یہ ہے کہ بدگمانی ایک نہایت ہی بدترین قسم کی صفت ہے چنانچہ اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے بدگمانی تو کجا بہت زیادہ گمان اور ظن سے بھی کام لینے سے منع فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ** (الحجرات: ۱۲) اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، یقینا بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جھوٹ بولنا وہ بدترین عمل ہے جو عقل، شریعت اور سماج ہر

ایک کی نگاہ میں قابل مذمت ہے قرآن وسنت کے مختلف نصوص میں بھی اس کی قباحت و شناعت کا ذکر موجود ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ بحیثیت انسان اللہ عزوجل نے ہر انسان کو معزز ومکرم بنایا ہے، قرآن کریم میں ہے:وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ (الاسراء: ۷۰) اور ہم نے انسان کو باعزت بنایا۔

اپنی باتوں اور کارکردگی کے ذریعے کسی کو بے عزت کرنے کی کوشش کرنا نہایت ہی مکروہ اور گھناؤنا عمل ہے، نیز جھوٹ، بدگمانی، دجل وفریب، استہزاء، نامعقول رائے اور لغو قسم کی باتوں کے ذریعے دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش درحقیقت اپنے آپ کو بھی بے عزت کرنے کو مستلزم ہے اور خود کو بے عزت کرنے کی کوشش عقل وشرع دونوں کے میزان میں ایک احمقانہ حرکت ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا تھا، لیکن قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بہتر اسلوب میں اللہ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگوں کو دین پر لانا اور ان کو اچھے اخلاق سے متصف کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ کار میں نہیں ہے:لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ (الغاشية: ۲۲)

سوشل میڈیائی ایسے مصلحین اور مفکرین سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ کتاب وسنت، عقل سلیم اور اخلاق کے معیار کو سامنے رکھ کر یہ غور کریں کہ کیا واقعی وہ مصلحین اور مفکرین ہیں یا اپنے غیر اخلاقی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کی کوشش میں لگے ہیں اور درحقیقت اصلاح کے پردے میں فساد پھیلانے کا بدترین کام کر رہے ہیں؟ جس پر اللہ عزوجل نے سخت وعید فرمائی ہے۔

نکاح

شریعت اور ہمارا معاشرہ

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
معین مفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مشہور حنفی فقیہ علامہ بن نجیمؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں — جو افتاء کے نصاب کا بھی جز وہے — نکاح کے انعقاد کے سلسلہ میں شریعت نے جو سہولتیں اور آسانیاں رکھی ہیں، بالخصوص فقہ حنفی میں اس بارے میں جو آسانیاں ہیں، ان کو بیان کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱— نکاح کا انعقاد لڑکا و لڑکی کے باہم دیکھنے پر موقوف نہیں رکھا گیا، اور نہ ہی اس میں ''خیار رؤیت'' مشروع کیا گیا؛ کیونکہ لوگوں کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ نکاح کا پیغام دینے والوں کو اپنی بیٹیاں اور بہنیں سامانِ تجارت کی طرح دکھائیں، یا نکاح کرنے والے نکاح کے بعد ان کو دیکھ کر نکاح رد کردیں، البتہ خرید وفروخت کے معاملہ میں بِن دیکھے سامان خریدنے کی صورت میں خریدار کو حقِ خیار رؤیت حاصل ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ سامان دیکھنے کے بعد بلا کسی جواز کے خرید وفروخت کا معاملہ ختم کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ عقد نکاح صیغۂ امر (خطاب) سے بھی منعقد ہوجاتا ہے، مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے سے اس کی بیٹی کے بارے میں کہے ''اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردو'' (یہ صیغۂ خطاب ہے)، وہ شخص کہے: ''میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کردیا''، تو محض ان الفاظ کے کہنے سے نکاح منعقد ہوجائے گا، جس کی وجہ یہ ہے کہ: اگر ان الفاظ کے کہنے کے بعد بھی نکاح منعقد نہ ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شوہر کو یہ حق ہو کہ وہ لڑکی کے ولی کے مذکورہ الفاظ کہنے

کے بعد بھی نکاح کو قبول نہ کرے، اور اگر اس نے اپنا یہ حق استعمال کیا تو لڑکی اور اس کے اہل خانہ کے لئے یہ بات باعثِ عار ہوگی؛ کیوں کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ فلاں شخص نے اپنی لڑکی کے نکاح کی پیشکش کی تھی، مگر اس کو رد کردیا گیا، اور اس سے کہیں اور بھی لڑکی کے نکاح میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے، مگر خرید وفروخت میں سامان واپس کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی جاتی، اس لئے خرید وفروخت کا معاملہ اس طرح منعقد نہیں ہوتا۔

۳۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں عاقلہ بالغہ لڑکی خود نکاح کرسکتی ہے، اور وہ نکاح منعقد بھی ہوجائیگا، ولی کی اجازت اور موجودگی ضروری نہیں، بشرطے کہ کفو اور مہر مثل کا لحاظ رکھا جائے، جبکہ دیگر فقہاء کے یہاں ولی کی اجازت ومنشاء اور اس کی موجودگی کے بغیر لڑکی کا نکاح نہیں ہوتا۔

۴۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں نکاح کے گواہان کا عادل وثقہ ہونا بھی شرط نہیں، فاسق وفاجر گواہان کی مودجوگی میں بھی نکاح منعقد ہوجائے گا، اور دیگر فقہا کے یہاں گواہان کا عادل وثقہ ہونالازم ہے۔

۵— امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق نکاح میں اگر کوئی فاسد شرط لگادی جائے، مثلاً یہ کہ شوہر دوسری شادی نہیں کرے گا وغیرہ، تب بھی نکاح منعقد ہوجائے گا، جبکہ بیوع ومعاملات میں فاسد شرط لگادینے کی وجہ سے خود امام صاحب اس پورے معاملہ کو فاسد قرار دیتے ہیں۔

٦ — امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب میں نکاح کے انعقاد کے لئے خاص لفظ نکاح یا تزویج لازم نہیں، بلکہ ہر اس لفظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، جو فی الحال اپنی ذات کا مالک بنادینے پر دلالت کرتا ہو، مثلاً: لفظ بیع، ہبہ، صدقہ، عطیہ اور تملیک وغیرہ، بشرطیکہ نکاح کی نیت ہو، یا اس پر کوئی قرینہ پایا جائے، اور گواہان بھی سمجھ رہے ہوں کہ نکاح ہی ہورہا ہے، جبکہ دیگر ائمہ کے یہاں صرف لفظ نکاح یا لفظِ تزویج سے ہی نکاح منعقد ہوسکتا ہے۔

۷۔عاقدین کا اگر دوسرا یا تیسرا نکاح ہو رہا ہو، اور خود ان کی اولاد یں ان کے نکاح کی گواہ ہو جائیں، تب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، جبکہ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ عاقدین کی اولاد کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

۸۔ امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق اگر گواہ اونگھ رہے ہوں یا نشہ میں مدہوش ہوں، تب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، بشرطیکہ انہیں نکاح ہونے کا شعور واحساس ہو۔

۹۔ امام صاحب کے مذہب کے مطابق اگر لڑکی ایجاب وقبول کے الفاظ خود کہے، تب بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، جبکہ دیگر ائمہ کے یہاں لڑکی خود نکاح نہیں کرسکتی، اس کا ولی ہی اس کا نکاح کریگا۔

۱۰۔امام صاحب نکاح کے لئے عورتوں کی شہادت و گواہی کافی قرار دیتے ہیں، لہٰذا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، جبکہ دیگر ائمہ کے یہاں نکاح کے گواہان کا مرد ہونا لازم ہے، کم ازکم دو مرد ہوں تب ہی نکاح منعقد ہوگا۔

علامہ ابن نجیمؒ نے شریعت– بالخصوص فقہ حنفی –میں نکاح کی ان تیسیرات اورآسانیوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: ’’نکاح میں یہ سب تیسیرات وتخفیفات اسلئے ہیں تاکہ نکاح کا انعقاد آسان سے آسان تر ہو، اور لوگ زنا اور اس پر مرتب ہونے والی دنیوی واخروی سزا اور رسوائی سے بچ سکیں‘‘، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ: ’’فقہ حنفی میں نکاح کی اِن آسانیوں کو دیکھ کر کسی نے کہا ہے: **عجبت لحنفي كيف يزني** ‘‘یعنی مجھے حنفی مسلک پر چلنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ (اپنے مذہب میں نکاح کے انعقاد کے اتنا آسان ہونے کے باجود) زنا کیوں کرتا ہے۔(الاشباہ والنظائر ص ۱۳۲)

شرعی قوانین کی رو سے نکاح کے انعقاد وتشکیل کو کس قدر آسان کیا گیا ہے اور کیوں آسان کیا گیا ہے وہ اس تفصیل سے بخوبی واضح ہے،اس طرح کے اور بھی بہت سے قوانین ومسائل ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ نکاح کا انعقاد آسان سے آسان تر ہو مثلاً یہ کہ ’’مہر‘‘ کو نکاح کا لازمی جز

بنانے کے باجود نکاح کے انعقاد کو اس پر موقوف نہیں رکھا گیا، چنانچہ اگر مہر کی نفی کے ساتھ نکاح ہو، تب بھی نکاح ہو جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ایسی صورت میں ''اقل مہر'' پھر بھی دینا لازم ہے، اسی طرح اگر مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول ہو جائے اور گواہ موجود ہوں، تب بھی نکاح انجام پا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے :**ثلاثٌ جدُّھُنَّ جدٌ و ھَزْلُھُنَّ جدٌ النکاح و الطلاق و العتاق**. (کنز العمال، رقم ۲۷۷۸۷) یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقت بھی حقیقت ہے اوران کا مذاق بھی حقیقت ہے اور وہ نکاح، طلاق، اور عتاق ہیں۔

نکاح کا جوتصور شریعت نے پیش کیا ہے اوراس بارے میں جوتعلیمات وہدایات دی ہیں ان کی رو سے لڑکے ولڑکی کا انتخاب تو ایسا مرحلہ ہے، جو سنجیدہ غور وفکر کا متقاضی ہے، حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے لئے مختلف لوگوں کی طرف سے نکاح کے پیغام بھیجے گئے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمائے، جب حضرت علیؓ کی طرف سے پیغام آیا تو آپ نے اس کو قبول کرلیا۔ (طبقات ابن سعد)۔

آپ اپنے اصحاب کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے کہ دیکھ بھال کے نکاح کیا کریں، اور یہ بھی فرمایا کہ: لڑکا اورلڑکی کے نکاح میں جوامور غور طلب ہیں ان میں سب سے اہم دینداری ہے۔ (مشکوۃ، ص:۲۶۷) اور شریعت باوجود یکہ غیر محارم کو دیکھنے کے بارے میں بڑی سخت ہے مگر نکاح کے لئے اس کی اجازت دی گئی ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص:۱۳۲)۔

فقہاء کرام نے یہاں تک تحریر کیا ہے کہ لڑکے سے زیادہ لڑکی کو اس کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ لڑکے کے لئے نکاح کے بعد طلاق دینے، یا دوسرے نکاح کا راستہ کھلا ہوا ہے، جبکہ لڑکی کے لئے یہ دونوں راستے مسدود ہیں۔ (شامی ۵/ ۲۳۵)، نیز لڑکی کے نکاح کے لئے کفؤ کی رعایت کا حکم بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔

لیکن لڑکا ولڑکی کے انتخاب کے بعد نکاح کے انعقاد اوراس کی انجام دہی ایسا امر نہیں کہ جوغور وفکر کا متقاضی ہو، یا اس کی انجام دہی بہت اہتمام وانتظام پر موقوف ہو، آپ علیہ السلام نے

امت میں سب سے زیادہ نکاح کئے، مگر ایسے سادہ اور ہلکے پھلکے طریقہ سے کئے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، حضرت صفیہؓ سے آپ نے جنگ سے واپسی کے دوران خیبر و مدینہ کے درمیان ایک مقام پر نکاح کیا۔ (مشکوۃ ص:۲۷۸)، حضرت میمونہؓ سے عمرہ کی قضاء کے موقع پر حالتِ احرام میں نکاح کیا (الاکمال فی اسماء الرجال)، عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے بڑا ولیمہ کیا وہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے موقع پر کیا، اس میں آپ نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی و گوشت لوگوں کو کھلایا۔ (مشکوٰۃ، ص:۲۷۸) حضرت صفیہؓ سے نکاح ہوا، اس میں آپ نے حیس (کھجور سے تیار شدہ ایک حلوہ) ولیمہ میں کھلایا (مشکوۃ ص:۲۷۸) حضرت ام سلمہؓ سے نکاح ہوا تو محض دو مد جَو سے ولیمہ فرمایا۔ (مشکوۃ، ص:۲۷۸)۔

حضرات صحابہؓ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی طرح سادگی کے ساتھ بلا کسی اہتمام اور التزام کے نکاح کرلیا کرتے تھے، حتی کی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اطلاع کرنے یا دعوت دینے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، عبدالرحمن بن عوف — جو مالدار صحابہ میں شمار ہیں — ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو آپ نے ان کے کپڑوں پر رنگ دیکھا، فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے گٹھلی کے بقدر سونے کے عوض نکاح کرلیا ہے، آپ نے ان کو دعا دی اور فرمایا کہ ولیمہ بھی کرلینا۔ (مشکوٰۃ، ص:۲۷۸)۔ حضرت جابرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے، مدینہ کے قریب پہنچ کر کچھ جلدی کرنے لگے، جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمالیا، اور اس کی وجہ دریافت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے شادی کرلی ہے، اس لئے تھوڑی جلدی ہے، آپ نے دریافت کیا کہ کس لڑکی سے شادی کی؟ کنواری سے یا شادی شدہ سے؟ کہا کہ شادی شدہ سے، کیونکہ میری کئی بہنیں ہیں، اور مجھے ایسی عورت درکار تھی، جو ان کی دیکھ بھال بھی کرسکے۔ (مشکوٰۃ، ص:۲۶۴)۔

نبوی معاشرہ میں کس قدر سادگی اور ہلکے پھلکے طریقہ سے نکاح و شادی ہوتی تھی یہ اس

کی ایک جھلک ہے، اس معاشرہ میں نکاح کا انعقاد نہ کوئی قابلِ مشورہ امر تھا اور نہ اس کی تیاری کے لئے کوئی حاجت سمجھی جاتی تھی اور نہ آج کی طرح لمبے چوڑے انتظامات اور اخراجات کئے جاتے تھے، اس کے برخلاف اپنے معاشرے کے نکاح اور شادیوں کے حال پر غور کیا جائے، جس تناسب سے نکاح کو آسان کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ تناسب کے ساتھ نکاح کو رسومات وخرافات اور غیر ضروری التزامات میں جکڑ دیا گیا ہے، اور نکاح وشادی کے موقع پر وہ ہنگامہ آرائیاں ہوتی ہیں کہ — حضرت اقدس تھانوی کے الفاظ میں — منگنی کے موقع پر ''قیامت صغریٰ'' کا اور نکاح وشادی کے موقع پر ''قیامت کبریٰ'' کا منظر ہوتا ہے۔

موجودہ معاشرے میں نکاح وشادی میں مختلف عنوانات سے پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے، اور بڑھ چڑھ کر خرچ کیا جاتا ہے، منکرات کا ارتکاب نہ ہو مگر مباحات میں خوب توسع ہوتا ہے، یہ مہنگی شادیاں شرعی مزاج ومذاق کے خلاف ہونے کے ساتھ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی کمزوری کا بھی باعث ہیں، جس معیار اور درجہ کی شادیوں کا معمول ہے اس میں اچھا خاصا مال ودولت رکھنے والوں کے بھی کس بل ڈھیلے ہوجاتے ہیں، اور متوسط درجہ کا شخص خواہی نخواہی قرض میں ڈوب جاتا ہے، لہٰذا شادیوں میں کم سے کم صرفہ ہو، یہ ذاتی مفاد بھی ہے اور معاشرہ کی ضرورت بھی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایسی ہی شادی باعثِ برکت اور رحمت بھی ہے: إن أعظم النکاح برکۃ أیسرہ مؤنۃ. (مشکوۃ، ص: ۲۶۸) ۃ (سب سے زیادہ بابرکت شادی وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو)۔

خلافت عثمانیہ اور ہمارے اکابر

حضرت مولانا ابو عمار زاھد الراشدی

روزنامہ اوصاف، اسلام آباد/ تاریخ اشاعت ۱۲ : فروری ۲۰۱۹ء

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (انڈیا) کے ناظم اعلیٰ (امین عام) مولانا مفتی سید شاہد الحسنی سہارنپوری کا تحریر کردہ ایک کتابچہ (خلافتِ عثمانیہ اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) گزشتہ روز نظر سے گزرا جس میں انہوں نے اب سے ایک صدی قبل بپا ہونے والی تحریک خلافت میں جامعہ مظاہر علوم کی سرگرمیوں اور کردار کا تعارف کرتے ہوئے اس دور کے کچھ فقہی مسائل اور مباحث کا تذکرہ کیا ہے، یہ ہماری ملی تحریک اور جدوجہد آزادی کا ایک اہم ریکارڈ ہے جس کا مطالعہ ہر دینی کارکن کو کرنا چاہیے البتہ اس میں سے چند باتیں قارئین کے علم میں لانے کے لیے اس کالم میں نقل کی جا رہی ہیں تا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے حوالہ سے اس وقت کے عمومی ماحول سے کچھ شناسائی ہو جائے۔

مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:

۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو جب خلافت اسلامیہ (عثمانیہ) کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا اور اس کے صرف چار ماہ بعد جولائی ۱۹۲۴ء میں لندن معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے (برطانوی وزیر اعظم) لارڈ کرزن نے پارلیمنٹ میں کبر ونخوت سے بھرپور ایک اعلان ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ:

”آج پوزیشن یہ ہے کہ ترکی مٹ چکا ہے اور اب کبھی کھڑا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے خلافت کو مٹا دیا ہے، وہ خلافت جو مسلمانوں کی کامیابی کا راز تھی، اس طرح ہم نے خلافت کو مٹا کر دراصل اسلام کو مٹا دیا ہے۔“

اور برطانوی وزیر خارجہ نے پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا کہ:

''ہمیں ہر حال میں وہ چیز مٹا دینا ہے جس سے مسلمانوں میں اتحاد بنتا ہو، جس طرح ہم نے خلافت کو مٹا دیا ہے جو مسلمانوں کو متحد رکھتی تھی۔ ہمیں کسی ایسی چیز کو سر نہیں اٹھانے دینا جو انہیں پھر سے متحد کرے خواہ وہ اتحاد فکری ہو یا تہذیبی۔''

خلیفۃ ترکی کے تعلق سے مسلمانان ہند کے اس جذبہ عقیدت ومحبت کا مظہر وہ تجویز بھی ہے جو ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس میں کامل اتفاق کے ساتھ بایں الفاظ منظور کی تھی:

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس کامل ارادت مندی اور خلوص کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ حضرت سلطان المعظم مسلمانوں کے مسلّم خلیفۃ اور امیر المومنین ہیں اس لیے آپ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔''

دیوبند کے اکابر علماء کرام کے نام ایک خط میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مذہبی تعلیم جس کا بیڑا میرے اکابر نے اٹھایا ہے اور جس میں وہ تمام عمر منہمک رہے ہیں اس کو نہایت ضروری اور مہتم بالشان سمجھتا ہوں اور ہر اس تحریک کا سختی سے مخالف ہوں جو اس میں نقصان پہنچانے والی ہو۔ میں نے سنا ہے کہ بعض علماء اسلام جوش کے ساتھ فرماتے ہیں کہ مدارس دینیہ بند کر دو اور سب کے سب خلافت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ میرے نزدیک یہ نہایت غلط راستہ ہے۔ دونوں امر فرض کفایہ ہیں، علماء اور ہادیان ملت کا دونوں کی طرف توجہ فرمانا اور دونوں کو یکساں سمجھنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اور نیز ہر ایسے امر کو جو مسلمانوں میں تفریق و اختلاف کا باعث ہو یا حدود شرع سے متجاوز ہو، مثلاً کسی جزوی اختلاف پر یا محض گمان مخالفت پر کسی زندہ یا مردہ مسلمان کی تذلیل وتوہین، یا تقلید یورپ میں ایسے اصولوں پر عمل جو اسلام کی تعلیم کے مطابق نہیں، ان سب کو نہایت مکروہ اور غیر مستحسن خیال کرتا ہوں۔''

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نگاہ میں تحریک خلافت کی کتنی اہمیت تھی اور خلافت عثمانیہ کے بقا اور تحفظ کے لیے وہ کتنی گہرائی سے سوچتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/ نومبر ۱۹۲۰ء میں امروہہ شہر کے شیعوں اور سنیوں کے درمیان اس حد تک اختلاف اور انتشار پیدا ہوا (بلکہ پیدا کر دیا گیا) کہ دونوں میدان مناظرہ میں آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ صورتحال کی اس سنگینی کو محسوس فرما کر مولانا خلیل احمد امروہہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر آپ نے بڑے سخت اور مضبوط لب ولہجہ میں اپنے تمام اہل تعلق کو مشورہ دیا کہ یہ زمانہ شیعہ اور سنی کے درمیان خلیج پیدا کرنے اور ٹکراؤ کا ہرگز نہیں ہے کہ اس سے آزادی کے پروگرام خاص طور پر تحریک خلافت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد کے مشورہ اور ایما سے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ امروہہ تشریف لائے اور فریقین کو ایک مجلس میں بٹھا کر بہت مؤثر اور دلوں کو جھنجھوڑنے والی تقریر فرمائی جس کے نتیجے میں ٹکراؤ کا ماحول اتفاق واتحاد کے ماحول میں بدل گیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اس مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ کی وضاحت میں خود تحریر فرماتے ہیں:

''چونکہ خلافت کی تحریک اس وقت بہت زوروں پر تھی، عام فضا مسلمانوں میں خصوصاً ہندوستان میں عموماً اتفاق واتحاد قائم کرنے کی تھی اس لیے عام اہل شہر مناظرہ کے خلاف تھے اور سخت اعتراض کرتے تھے۔ اسی لیے سنجیدہ حضرات چاہتے تھے کہ مناظرہ نہ ہو مگر کوئی کھل کر روکنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے کہ اس میں اس کی اور اس کی پارٹی کی بدنامی ہوتی تھی، اس لیے چاہتے تھے کہ کوئی قومی تحریک کا حامی شخص بیچ میں پڑ کر مناظرہ رکوا دے۔ میں حضرت مولانا خلیل احمد کا مخلص خادم اور تلمیذ بھی تھا اس لیے حضرت موصوف اور دیگر احباب نے ضروری سمجھا کہ مجھے درمیان میں ڈالا جائے تا کہ پھر کسی کو حرف گیری اور اعتراض کا موقع ہاتھ میں نہ آئے۔ چنانچہ میں نے حاضر ہو کر وہاں بڑے مجمع میں تقریر کی جس کی وجہ سے اشتعال ٹھنڈا ہوا، میں نے ہر دو فریق سنیوں اور شیعوں کو سمجھایا اور وقت کی

نزاکتوں کو دکھلا کر زوردار اپیل کی کہ کوئی اس قسم کی کاروائی اس زمانہ میں مناسب نہیں ہے جس سے افتراق کی خلیج وسیع ہو۔ میں نے کربلا شریف، بغداد اور عراق کے انگریزی مظالم دکھائے نیز مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مقامات مقدسہ کے قیامت خیز واقعات بھی سنائے اور شیعوں اور سنیوں دونوں کو ملامت کی، بہرحال اس طویل تقریر کا فریقین کے عوام پر اچھا اثر ہوا اور فریقین سمجھ گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔''

تحفظِ مساجد چند معروضات وگزارشات

محترم عبدالرشید طلحہ نعمانی

پچھلے کئی ماہ سے بابری مسجد کا عنوان سرخیوں میں ہے، دینی جماعتوں سے لے کر سیاسی حلقوں تک اسی کی صدائے بازگشت ہے، ہر کوئی اس سلسلہ میں فکرمند نظر آرہا ہے۔ مقررین وخطباء کے خطبات کا یہی موضوع ہے، قلم کاروں اور کالم نگاروں کی تحریرات کا یہی عنوان ہے، ارباب بصیرت کی ہر چھوٹی بڑی مجلس میں یہی بحث ہے کہ آگے کیا ہوگا؟ مسجد کی بازیابی کے لیے اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ قائدین ملت کا اگلا قدم کیا ہوسکتا ہے؟ وغیرہ

بہ حیثیت مسلمان مذکورہ بالا مسئلے سے ہماری دل چسپی دینی غیرت اور ایمانی حرارت کا واضح ثبوت ہے؛ لیکن اس فیصلے کے بعد ہماری ساری فکریں، مجلس بازی اور زبانی جمع خرچ کے حوالے ہوجائے، یہ کسی طور مناسب نہیں، نیز اگر ہم اس حوالے سے مکمل طور پر مایوسی وقنوطیت کا شکار ہوجائیں تو اس کا بھی صاف مطلب یہ ہے کہ دشمن اپنی سازش میں کام یاب ہے، حالات کے مدوجزر سے یقینا پریشانی ہوتی ہے؛ لیکن یہ اتار چڑھاؤ تاریخ کا اہم حصہ ہے اور حامیانِ حق کی سرخ روئی وکام یابی کا تصور مسائل ومشکلات اور مصائب وآلام کے بغیر نہیں کیا جاسکتا، اس لیے حالات سے گھبرانے اور مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں؛ بل کہ منظم حکمت عملی اختیار کرنے اور زمینی سطح پر محنت کرنے کی ضرورت ہے، موقع کی مناسبت سے ضروری محسوس ہوا کہ تحفظ مساجد کے سلسلہ میں چند معروضات قارئین کی خدمت میں پیش کی جائیں؛ تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ فقط مسجد بنا دینا یا تعمیر وتزئین میں حصہ لے لینا حصول مقصد کے لیے کافی نہیں ہے؛ بلکہ اسے آباد رکھنے کی کوشش کرنا بھی لازم وضروری ہے۔

قرآن مجید میں حق تعالی شانہ فرماتے ہیں: اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور

آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ (التوبہ)
یعنی مسجدیں آباد کرنا، ان کی تعمیر کرنا، ضروریات کا بندوبست کرنا، آبادکاری کی فکر کرنا، ان کی دیکھ بھال رکھنا، یہ سب ایمان کی علامتیں ہیں اور ایسے شخص کے لیے اللہ کی طرف سے ایمان کی گواہی ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی دین بیزاری اور غفلت شعاری کا یہ عالم ہے کہ پروردگار عالم سے تعلق کو استوار رکھنے، اس کی بارگاہ عالی میں جبین نیاز خم کرنے جیسی اہم ترین عبادت "نماز" بھی کاروبار، تجارت اور مختلف دنیوی مشاغل کی نذر ہوگئی، حالاں کہ قرآن وحدیث میں اس کی غیر معمولی تاکید وارد ہوئی ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جان بوجھ کر نماز کے ترک کو کفر کے مرادف قرار دیا ہے۔

قوم مسلم کے لیے یہ بات کسی المیے سے کم نہیں کہ انھی کی کسل مندی ولاپرواہی کی وجہ سے آج محتاط اندازے کے مطابق ساٹھ تا ستر فیصد مساجد غیر آباد اور پندرہ تا بیس فیصد مساجد قفل بند ہیں، بعض قریوں اور دیہاتوں کی حالت زار یہ ہے کہ ایک ہی شخص موذن ہے، وہی امام ہے اور وہی مصلی ومقتدی، آج کتنے ایسے مسلمان ہیں جو ہفتہ میں ایک مرتبہ صرف جمعہ کی سعادت حاصل کرنے مسجد جاتے ہیں اور پورا ہفتہ مطمئن بیٹھے رہتے ہیں، کتنے ایسے چہرے ہیں جو عیدوں اور جنازوں کے موقع پر نظر آتے ہیں اور پھر طویل مدت کے لیے غائب ہوجاتے ہیں۔

موجودہ حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مستقل ایک تحریک بنا کر ویران مساجد کی آبادکاری کا سلسلہ شروع کیا جائے، مقامی مسلمانوں کو ترغیب وفہمائش کے ذریعہ اس جانب متوجہ کیا جائے، بالخصوص شہر کے کناروں پر واقع غیر آباد مسجدوں کی خبر گیری کی جائے، مقفل مسجدوں کی ضروری کارروائی کے بعد کشادگی عمل میں لائی جائے، اس سلسلہ میں زعمائے قوم اور مسلم لیڈران آگے آئیں اور شہرت وناموری کے بجائے نجاتِ اخروی کو ملحوظ

رکھتے ہوئے اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کریں، ان شاء اللہ اس کے دوررس نتائج برآمد ہوں گے اور دشمنان اسلام کو اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تحفظ مساجد کے سلسلہ میں ایک اہم کام تو یہ ہوا، دوسرا ضروری کام یہ ہے کہ وہ مسجدیں جو پنج وقتہ نمازوں کے لیے پہلے سے آباد ہیں انہیں دن بھر دینی وملی سرگرمیوں (مکتبِ اطفال وبالغان، حلقہ درس قرآن وحدیث، امداد بیوگان و یتامی وغیرہ) سے معمور رکھنے کی پوری کوشش کی جائے؛ اس لیے کہ مسجد مسلمانوں کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ اور مضبوط حصار ہے۔

حدیث میں آتا ہے، جب آندھی چلتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مسجد تشریف لے جاتے تھے اور جب تک آندھی بند نہ ہوتی مسجد سے باہر تشریف نہ لاتے، مسجد میں آنے والے شخص سے اللہ تعالیٰ اسی طرح خوش ہوتے ہیں جیسے ایک گم شدہ شخص واپس اپنے گھر لوٹ آئے ،مسجد جانے والے اللہ کی ضمان وامان میں آجاتے ہیں، نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: جو شخص مسجد کی طرف جائے گا اس کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے، اگر اسے موت آئے گی تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کردیں گے، ورنہ وہ اجر وثواب اور عبادت کے فوائد لے کر لوٹ آئے گا۔ (ابو داؤد) ایک اور روایت میں ہے کہ جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہیں وہ مسجد کے کھونٹے ہیں، فرشتے ان کے ہم نشین ہوتے ہیں، اگر وہ بیمار ہوجائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں اور اگر وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے ان کی اعانت کرتے ہیں۔ (مستدرک حاکم)

تعلیم وتربیت اور اصلاح معاشرہ میں مساجد کے روشن کردار کو اجاگر کرتے ہوئے مولانا نثار احمد حصیر القاسمی لکھتے ہیں: ”پہلے باضابطہ مدارس نہیں تھے، یہی مسجدیں درسگاہوں کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں اور اب بھی ہو رہی ہیں، علماء مختلف مساجد کے اندر جگہ کا انتخاب کرتے اور حلقہ درس لگایا کرتے تھے، تاریخ شاہد ہے کہ ایک زمانہ میں بغداد، قاہرہ، قیروان، قرطبہ، دمشق ،موصل اور دوسرے اسلامی ملکوں کے مختلف شہروں کی مسجدیں تعلیم

وتعلم اور علم ومعرفت کے گہوارے بنتے گئے، جہاں ۲۴ گھنٹے تعلیم وتعلم اور بحث وتحقیق کا سلسلہ جاری رہتا تھا، پوری اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم ومعرفت اور تہذیب وثقافت کو پھیلانے اور عام کرنے میں مساجد ہی کا اہم کردار رہا ہے اور جب تک مساجد کو مرکزیت حاصل رہی اسلام کے پھیلاؤ میں اضافہ ہوا اور جب تک مسلمان مساجد سے جڑے رہے ان کا بول بالا اور دبدبہ رہا ہے، مساجد جس طرح علم ومعرفت اور بحث وتحقیق کے مراکز رہے ہیں، اسی طرح یہاں حلم وبردباری، نرمی ورواداری اور اُخوت وبھائی چارگی سکھائی جاتی اور شدت پسندی وسختی سے محفوظ رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد نبوی کے صحن کے ایک گوشہ میں پیشاب کردیا، تو لوگ سختی کے ساتھ اسے روکنے کے لیے آگے بڑھے: مگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، اس پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو! تمھیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے والا بنا کر نہیں۔'' (بخاری)۔

تیسرا کام یہ کہ مسجد کو مرکز عبادت بنانے کے ساتھ ساتھ مرکز دعوت بھی بنایا جائے، یعنی غیر مسلموں میں اسلام کے تئیں شعور اجاگر کیا جائے، اسلام کا تعارفی لٹریچر ان کے حوالے کیا جائے، ان کے ذہن ودماغ میں اسلام کے حوالے سے جو کچھ شکوک وشبہات ہیں ان کا بہ طریق احسن ازالہ کیا جائے اور ان سب سے بڑھ کر اپنے اچھے اخلاق اور اعلی کردار کے ذریعہ انہیں اپنے سے قریب کرنے کی کوشش کی جائے؛ تاکہ وہ سنجیدگی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور آزادی کے ساتھ راہ حق کا انتخاب کرسکیں۔

اس سلسلہ میں عہد نبوی کے صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا، جو دور حاضر میں نصیحت وموعظت کے لیے کافی اور وافی ہے۔

جب سن ۶ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کا دائرہ وسیع کرنے کا

عزم فرمایا تو عرب وعجم کے بادشاہوں کی طرف آٹھ خطوط لکھے اور انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعوت دی، جن سربراہوں کو خطوط لکھے ان میں ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا نام بھی آتا ہے، بلاشبہ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا شمار زمانہ جاہلیت کے بارعب سرداروں میں ہوتا ہے، آپ قبیلہ بنو حنیفہ کے قابل رشک سربراہ اور یمامہ کی ہردل عزیز شخصیت تھے۔

زمانہ جاہلیت میں جب ثمامہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملا تو اسے بڑی حقارت سے دیکھا، وہ اسلام دشمنی میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کے قتل کے درپے رہتے تھے، حتی کہ ایک بار خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ بھی کرلیا تھا۔

اسی زمانے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقہ میں ایک دستہ بھجوایا، جس نے واپسی پر ثمامہ کو شک کی بنیاد پر قید کرلیا اور اپنے ہمراہ مدینہ لے آئے، ثمامہ نے بھی راستہ میں اپنی حقیقت ظاہر ہونے نہیں دی، مدینہ پہنچ کر جب انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا اور صحابہ کو بتایا کہ وہ کسے قید کرکے لائے ہیں، پھر ثمامہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے اور انہیں مسجد کے صحن میں ہی ایک ستون سے باندھنے کا حکم فرمایا، کچھ دیر تک تو انہیں وحشت محسوس ہوئی؛ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ساری وحشت کافور ہوگئی اور تجسس ومشاہدہ اور بغور مطالعہ کرنے کا جذبہ غالب آگیا، انہوں نے محسوس کیا کہ ایک بے بس قیدی کی حیثیت سے کسی نے ان کا مذاق اڑانے، لاچار سمجھ کر طعنے دینے اور فقرے چست کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، نہ انہیں حقارت آمیز نظروں سے دیکھا اور نہ اس کی عزتِ نفس مجروح کرنے کی کوشش کی، اس کے برعکس ان کی شفقت بھری نظروں میں پیار کے ڈورے ہیں، باتوں میں شیرینی اور مٹھاس ہے، ہمدردی اور پیار کے امرت میں گندھی ہوئی باتیں روح کے لیے پیغام حیات ہیں، جو کانوں میں رس گھولتی ہوئی دل میں اترتی چلی جاتی ہیں، ان لوگوں میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو کھردری اور دل کو چبھنے والی ہو، کوئی ایسی حرکت دکھائی نہیں دیتی جو قابل

گرفت اور تہذیب و شائستگی سے گری ہوئی ہو، ہر فرد اعلیٰ اخلاق اور سچی تعلیمات کا عمدہ اور کامل نمونہ ہے، جس کی حرکات وسکنات، رفتار وگفتار اور اعمال واطوار سے انسانیت کا درس لیا جاسکتا ہے، وہ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر دنگ رہ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نو وارد قیدی کی طرف متوجہ ہوئے، تا کہ اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں آپ نے بڑے مشفقانہ انداز میں دریافت کیا: ''ثمامہ کیا رائے ہے؟''

انہوں نے جواب دیا، ''بہتر ہے اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو یقیناً ایک ایسے شخص کو قتل کر دیں گے جس نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا خون بہایا، اگر معاف فرمادیں تو ایک قدر دان پر مہربانی ہوگی اور اگر مال چاہیے تو جس قدر فرمائیں مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور انہیں دو دن تک اسی حالت میں رہنے دیا، لیکن کھانا، پانی اور دودھ باقاعدگی سے انہیں ملتا رہا، پھر آپ نے دریافت فرمایا: ''ثمامہ کیا رائے ہے؟'' انہوں نے کہا ''بات وہی ہے جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اگر آپ معاف فرمادیں تو ایک قدر دان پر مہربانی کریں گے، اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس نے آپ کے ساتھیوں کا خون بہایا ہے اور اگر مال چاہیے تو آپ کی منشا کے مطابق مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی اسے اسی حالت میں رہنے دیا اور تیسرے دن تشریف لائے اور دریافت فرمایا۔ ''ثمامہ اب تمھاری کیا رائے ہے؟''

انہوں نے کہا کہ میری تو اب بھی وہی رائے ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ''اسے آزاد کر دو۔''

حضرت ثمامہ آزاد ہونے کے بعد مسجد نبوی سے نکل کر ایک طرف چل دیے، مدینہ منورہ کی ایک جانب بقیع کے نزدیک ایک نخلستان تھا، وہاں ایک مقام پر پانی بھی جمع تھا، اپنی اونٹنی

وہاں بٹھا کر خوب اچھی طرح غسل کیا اور واپس مسجد نبوی میں آ کر سب لوگوں کے سامنے باآواز بلند کہا: اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد رسول الله۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

بعد ازاں محبت بھرے انداز میں یوں گویا ہوئے ''میرے پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم! اسلام قبول کرنے سے پہلے روئے زمین پر مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ برا نہ لگتا تھا، لیکن آج میرے لیے کائنات میں تمام چہروں سے محبوب ترین چہرہ آپ ہی کا ہے، اللہ کی قسم! آج سے پہلے آپ کا یہ شہر دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ برا معلوم ہوتا تھا اور آج یہ مجھے تمام شہروں سے زیادہ محبوب دکھائی دیتا ہے''۔ پھر اس کے بعد درد بھرے لہجے میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بے دریغ خون بہایا ہے، بھلا میرے اس جرم کا مداوا کیسے ہوگا؟''

یہ سن کر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''ثمامہ آپ گھبرائیے نہیں! اسلام پہلے کے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے'' اور آپ نے اس خیر و برکت کی بشارت دی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی بدولت ان کے نصیب میں لکھ دی تھی، یہ سن کر ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

صلاۃ الأوّابین کی تحقیق احادیث کی روشنی میں

عربی تحریر:—مولانا عبدالعظیم صاحب بلیاوی
استاذِ تخصص فی الحدیث الشریف جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

دوسری و آخری قسط

یہ مضمون اصلا عربی میں تحریر کیا گیا، جو مظاہر علوم کے عربی مجلہ ''المظاہر'' کے جمادی الاولی، جمادی الآخرہ ۱۴۴۰ھ کے شمارہ میں ''التحقیق الحدیثی لصلاۃ التطوع بعد المغرب المعروف بصلاۃ الأوابین'' کے عنوان سے شائع ہوا، جامعہ کے متعلم مولوی ابو امامہ ممبئی کے قلم سے اسے اُردو قالب میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تسلسل کے لئے فروری ۲۰۲۰ء کا شمارہ ملاحظہ کیا جائے۔(مرتب)

(۸)—اور امام أحمد (۵/۴۳۱)، مروزی (ص:۸۷) اور بیہقی (۳/۲۰) نے سلیمان تیمی سے نقل کیا ہے کہ: انہوں نے فرمایا کہ: مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ: **سُئِلَ عبید مولی رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكان يأمر بالصلاة بعد المكتوبة؟ قال نعم بين المغرب والعشاء.** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ''عبید'' سے پوچھا گیا کہ: کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرض نماز کے بعد کسی نماز کا حکم فرماتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا کہ: ہاں! مغرب اور عشاء کے درمیان میں (نماز پڑھنے کا حکم فرماتے تھے)۔

اور بیہقی کے الفاظ ہیں: **سُئِلَ عن صلاة النبي صلى الله عليه وسلم فذكر صلاة ما بين المغرب والعشاء.** ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز کا ذکر کیا۔

ہیثمی نے فرمایا کہ: اس روایت میں ایک مبہم راوی ہیں، اور ان کے علاوہ أحمد کے دوسرے رواۃ: صحیح کے رواۃ ہیں۔

(۹)—اور عبد الرزاق (۴۷۲۵)، ابن أبی شیبہ (۵۹۷۲)، اور طبرانی (۹۴۴۸)،

(۹۴۴۹)(۹۴۵۰) نے اسود بن یزید، یا عبدالرحمن بن یزید سے (دوروایتوں میں اسی طرح الگ الگ مروی ہے) نقل کیا ہے کہ: انہوں نے فرمایا کہ: **ساعة ما أتيت عبد الله بن مسعود فيها إلا وجدته يصلي ما بين المغرب والعشاء، وكان يقول: هي ساعة غفلة.** (میں مغرب اور عشاء کے درمیان جب بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آتا ان کو اس وقت نماز پڑھتا ہوا پاتا، اور آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ: یہ غفلت کا وقت ہے۔

ان دونوں سندوں میں سے ایک میں: جابر الجعفی، اور دوسرے میں: لیث بن أبی سلیم ہیں، اور دونوں ضعیف ہیں؛ لیکن دونوں کے جمع ہونے سے حدیث قوی ہوگئی۔

(۱۰)— اور امام احمد (۵/۳۹۱، ۴۰۴، ۴۰۴)، ترمذی (۲/۲۱۸)، نسائی (سنن کبریٰ ۵/۹۵)، ابن خزیمہ (۱۱۹۴)، ابن حبان (۳۴۶۱)، حاکم (۱۱۷۷) اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ نے اس سلسلہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے: اس سے مغرب اور عشاء کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

(۱۱)— اور مروزی (ص۸۶) اور امام بیہقی (۳/۲۰) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي ما بين المغرب والعشاء.** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھا کرتے تھے)۔

اس روایت میں منصور بن سقیر ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔

لیکن ابن ابی شیبہ (۵۹۷۷) نے حمید بن عبدالرحمن سے یہ روایت نقل کی ہے، وہ ان کے متابع ہیں، اور وہ ثقہ راوی ہیں؛ لیکن انہوں نے اس کو حضرت انس سے موقوفاً روایت کیا ہے، اس لیے درست یہی ہے کہ: یہ روایت موقوف ہے۔

(۱۲)— اور مروزی (ص۸۸) نے معن بن عبدالرحمن سے روایت کیا ہے کہ: **كان عبد الله بن مسعود يصلي بين المغرب والعشاء أربع ركعات، وقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليهن.** (عبداللہ بن مسعود مغرب اور عشاء کے درمیان چار رکعات پڑھا کرتے تھے

،اور فرماتے تھے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔

شوکانی نے فرمایا کہ: یہ روایت منقطع ہے ''معن'' اپنے دادا ابن مسعود کو نہیں پا سکے۔

(۱۳)— اور حضرت انس، ابن المنکدر، ابوحازم، سعید بن جبیر اور علی بن الحسین سے اللہ تعالی کے ارشاد ''ناشئة اللیل'' (مزمل۶) کی تفسیر میں مروی ہے کہ: **هي ما بين المغرب و العشاء**. یہ مغرب اور عشاء کے درمیان ہے۔ (دیکھئے: ''الزہد'' لابن المبارک (۱۲۶۳)، مصنف ابن ابی شیبہ (۵۹۲۶)۔

(۱۴)— اور حضرت انس بن مالک، ابن المنکدر اور ابوحازم سے اللہ تعالی کے ارشاد ''**تتجافى جنوبهم عن المضاجع**'' (السجدہ۱۶) کی تفسیر میں مروی ہے کہ وہ لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔ (دیکھئے: ابوداؤد ۱/۱۸۷، ابن أبي شیبہ (۵۹۸۱) مروزی ص۸۶:) بیہقی ۳/۱۹)

(۱۵)— اور عبدالرزاق (۴۷۲۴) نے ثوری سے نقل کیا ہے کہ منصور نے فرمایا کہ: مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ: **لَيسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يتلون آيات الله آناء الليل و هم يسجدون.** (آل عمران ۱۱۳) (سارے اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں، اہل کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز رہتے ہیں)

یہ آیت مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

خلاصۂ بحث:

ان تمام عواضد و مؤیدات سے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، اسی وجہ سے شوکانی نے ''نیل الاوطار'' (۲/۶۷) میں فرمایا کہ: باب میں مذکورہ آیات و احادیث مغرب اور عشاء کے درمیان زیادہ سے زیادہ نمازیں پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں، اور اکثر احادیث اگرچہ ضعیف ہیں؛ لیکن ان سب کے مجموعہ سے وہ قوی ہو جاتی ہیں، اور خاص طور پر فضائل اعمال کے باب میں قابل عمل ہوتی ہیں۔

یہ سب ابن ابی حاتم، زرکشی، علائی، اوران حضرات کی رائے کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ: شدید ضعیف حدیث فضائل میں نہیں چلتی، اورابن الصلاح، منذری، نووی وغیرہ کی رائے ہے کہ: فضائل کے باب: میں موضوع حدیث کو چھوڑ کر تمام ضعیف احادیث کوان کا ضعف بیان کئے بغیر روایت کرنا اوران پر عمل کرنا جائز ہے۔ اوراکثر محدثین کے تصرفات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اس قول کے اعتبار سے کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عراقی نے فرمایا کہ: صحابہ میں سے: عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، سلمان فارسی، ابن عمر، انس بن مالک اور بہت سے دوسرے انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے: اسود بن یزید، ابوعثمان النہدی، ابن أبی ملیکہ، سعید بن جبیر، محمد بن المنکدر، ابوحاتم، عبد اللہ بن سخبرہ، علی بن حسین، ابوعبدالرحمن الحبلی، قاضی شریح اور عبداللہ بن معقل رحمہم اللہ، اورائمہ میں سے سفیان ثوری ان حضرات میں سے ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھا کرتے تھے۔

صلاۃ الاوابین کے بارے میں منقول نکیر اوراس کا حل:

ابن ابی شیبہ (۵۹۸۳) اورمروزی (ص۸۹) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس پر نکیر نقل کی ہے؛ لیکن اس روایت میں ثویر بن ابی فاختہ ایک ضعیف راوی ہیں، اوران پر رافضی ہونے کاالزام ہے، (تقریب التہذیب) کی وجہ سے مروزی نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

اورحسن بن علی، طاؤس، مجاہد اورحسن بصری سے بھی اس پر نکیر مروی ہے۔ (دیکھئے: مسند عبدالرزاق (۴۷۲۹، ۴۷۳۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۵۹۷۸)، (۵۹۷۹)

ان میں سے بعض سے یہ بھی منقول ہے کہ: وہ اسے صلاۃ اللیل میں شمار نہیں کرتے۔ تواس سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ جن حضرات نے انکار کیا ہے ان کا مقصود اس کے صلاۃ اللیل ہونے کاانکار ہے کہ اوابین کی نماز تہجد کا بدل نہیں ہوسکتی۔

صحابہ کا صلاۃ الاوبین کو مستحب سمجھنا:

اورمروزی (ص۸۸) نے عبداللہ بن سخبرہ سے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: کانوا

يستحبون أربع ركعات بعد المغرب. (وہ لوگ (یعنی صحابہ) مغرب کے بعد چار رکعات پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے)۔اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ: **كانوا يستحبون أربع ركعات قبل العشاء الآخرة.** (وہ عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعات کو مستحب سمجھتے تھے۔)

ان سب سے معلوم ہوا کہ یہ نماز ان مستحب اعمال میں سے ہے، جن کے کرنے پر ثواب دیا جاتا ہے اور ان کو چھوڑنے پر ملامت نہیں کی جاتی۔

اوابین کی چھ رکعات کس طرح شمار کی جائیگی؟

جیسا کہ پہلے گذرا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ، ابن عمر اور عمار بن یاسر کی حدیث میں چھ رکعات کا ذکر ہے، اور ابن مسعود، اور ابن عمر کے اثر میں چار رکعات کا ذکر ہے، جس کی تائید عبداللہ بن سنجرہ اور سعید بن جبیر کے اثر سے بھی ہوتی ہے۔

دونوں طرح کی روایات میں جمع کی آسان شکل یہ ہے کہ: سنت مؤکدہ کی دو رکعات کے ساتھ چار زائد رکعات ملا کر چھ کہا گیا ہے، اور اس کو چھوڑ کر چار کہا گیا ہے، اس تطبیق سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو سنت مؤکدہ کی دو رکعات کو شامل کر کے اوابین کی چھ رکعات شمار کرتے ہیں، اور یہی رائے زیادہ قوی ہے۔ اور جو حضرات سنت مؤکدہ کے بعد چھ رکعات کے قائل ہیں ان کا طریقہ فضیلت حاصل کرنے کے اعتبار سے زیادہ محتاط ہے۔

صلاۃ الاوابین کے مصداق کی تعیین میں تعارض اور اس میں تطبیق:

محمد بن المنکدر کے مرسل اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اثر میں گذرا کہ: یہ صلاۃ الاوابین ہے، نیز محمد بن المنکدر اور ابوحازم سے اللہ تعالی کے ارشاد: **تتجافى جنوبهم عن المضاجع** (سجدہ:۱۶) کی تفسیر میں مروی ہے کہ: مغرب اور عشاء کے درمیان کی نماز صلاۃ الاوابین ہے۔ (دیکھئے: سنن البیہقی ۳/۱۹ مسنداً، مروزی ص:۸۶ تعلیقاً)

اسی طرح ابن زنجویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ: انہوں نے فرمایا

کہ:۔إن الملائکة لتحف بالذین یصلون بین المغرب والعشاء وھي صلاة الأوابین. (جولوگ مغرب اورعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور یہی صلاۃ الاوابین ہے۔(جیسا کہ: کنزالعمال (۲۱۸۳۹) میں ہے اورشرح السنۃ (۸۹۲)میں اس کوتعلیقاذکر کیا ہے۔)

جب کہ صحیح مسلم (۱/۲۵۷)اور دیگر کتابوں میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:صلاة الأوابین:حین ترمض الفصال. (صلاۃ الاوابین اس وقت کی نماز ہے جس وقت اونٹ کے بچوں کے پیر جلیں (یعنی چاشت کی نماز)۔

ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ اس سے سابقہ قول کی تائید ہوتی ہے،اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ:یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِيِّ وَالۡإِشۡرَاقِ وَالطَّيۡرَ مَحۡشُورَةً كُلٌّ لَهُ أَوَّاب. (ہم نے پہاڑوں کواس کام پر لگادیا تھا کہ وہ شام کے وقت اورسورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں اور پرندوں کوبھی جنہیں اکٹھا کرلیا جاتا تھا یہ سب ان کے ساتھ مل کر اللہ کا خوب ذکر کرتے تھے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شام کے وقت نماز وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی پاکی بیان کرنے والے اوراشراق کے وقت اللہ کی پاکی بیان کرنے والے دونوں ہی ''اوّاب'' ہیں،تو جب اشراق کے وقت کی نماز کو مسلم کی حدیث میں صلاۃ الاوابین کہا گیا،تو ظاہر ہے کہ: شام کے وقت کی نماز پر بھی صلاۃ الاوابین کا اطلاق ہوگا۔ واللہ اعلم.

امیر شام سیدنا امیر معاویہؓ اور کتابت وحی

مولانا محمد آصف صاحب اعظمی قاسمی

انبیا کرام کی ذوات قدسیہ کے بعد اگر کوئی جماعت نصوص قطعیہ سے فضائل ومناقب ورضائے الٰہی سے سرفراز ہونے والی ہے تو وہ صحابہ کرام کی جماعت مقدسہ ہے، اس جماعت سے قرب، ایمان میں زیادتی اور قرب الٰہی کی علامت ہے، اوراس جماعت سے دوری اور بغض وتنقیص، ایمان میں نقص اوراخروی نامرادی کا بین ثبوت ہے۔

صحابی کی تعریف:۔امام بخاریؒ کے نزدیک **من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او رأہ من المسلمین فھو من اصحابہ**۔(بخاری شریف کتاب المناقب)

مسلمانوں میں سے جس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی اوران کو دیکھا ہو وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی صحابی کی تعریف اس انداز سے کرتے ہیں: **وھو من لقی النبی ﷺ مومنا بہ ومات علی الاسلام**۔(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر)

صحابی وہ ہے جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور وہ اسلام پر ہی فوت ہوا ہو۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے صحابہ کرام کی خصوصیات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔**أولئک اصحاب محمد کانوا افضل ھذہ الامۃ، ابرھا قلوبا، واعمقھا علما، واقلھا تکلفا، واختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم، واتبعوا علی اثرھم**۔(جامع الاصول ۱؍۲۹۲)۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس امت میں سب سے افضل ہیں، سب سے زیادہ

نیک دل والے، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے ہیں، سب سے کم تکلف والے ہیں، انھیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے منتخب فرمایا ہے، ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کی پیروی کرو۔

صحابی کی تعریف کے الفاظ میں مختلف حضرات کی آراء میں اختلاف ضرور ہے لیکن خیر القرون سے لے کر آج تک کسی محقق متدین کی تحریر نے صحابی کی تقسیم اس طرح نہیں کی ہے کہ بعض صحابہ مسلمان تھے بعض منافق، اس لیے کہ جو شخص منافق ہوگا اس کو شرف صحابیت تو دور کی بات اس کے لیے ایمان کا فیصلہ ممکن نہیں ہوگا، منافق کے لیے جہنم لازم ہے، اور صحابی کے لیے جنت لازم ہے، منافق کی اسلام دشمنی عام کفار سے بڑھی ہوئی ہے، لیکن بدقسمتی یہ رہی کہ خیر القرون سے ہی کچھ بد باطن ہر دور میں ایسے رہے ہیں جنھوں نے اپنے اعمال کو سیئات سے آلودہ کرنے کے لیے اصحاب رسول کو سب وشتم کرنا اپنے لیے لازم ٹھرایا اور امت کے سواد اعظم نے ان کی ضلالت وگمراہی کا فیصلہ بھی صادر کیا خواہ صحابہ پر سب وشتم کرنے والا بظاہر کتنا ہی ذی وجیہ اور کروفر کا مالک رہا ہو، موجودہ دور میں بھی کچھ حضرات محبت اہل بیت کا نام لے کر حضرات صحابہ کرام پر انگشت نمائی کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے، بطور خاص سیدنا امیر معاویہؓ پر اس قدر الزامات اور اتہامات کی بارش کرتے ہیں جس سے طالبان علوم نبویہ اور عامۃ الناس کے سادہ قلوب میں زہریلی تخم ریزی کرتے ہیں، اس لیے ایسے مواقع پر علم ودانش کے حامل اور عقائد صحیحہ پر گامزن ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ احقاق حق وابطال باطل کے لیے، اپنا اور بے گانہ عالم یا جاہل معروف وغیر معروف خطیب اور غیر خطیب کا لحاظ کیے بغیر ناموس صحابہ کی حفاظت میں اپنا قطرۂ خون نچوڑ دینا دنیا وآخرت کی سربلندی سمجھے۔

یوں تو بے بنیاد باتوں کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے جو تحقیق سے عاری لوگوں نے تیار کر رکھا ہے، لیکن طوالت کے پیش نظر اس سے صرف نظر کر کے صرف کتابت وحی کے اثبات میں اہل حق کا موقف واضح کیا جا رہا ہے۔

حضرت امیر معاویہ کی کتابت وحی کے بارے میں محدثین کی آراء

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ رقم فرماتے ہیں:۔ **و معاوية بن سفيان الخليفه صحابى اسلم قبل الفتح و كتب الوحى** (تقریب التہذیب ص ۳۷)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما خلیفۃ اور صحابی ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور آپ کاتب وحی تھے۔

حافظ ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں:۔ **و كان زيد ابن ثابت من الزم الناس لذلك ثم تلاه معاويه بعد الفتح فكانا ملازمين ملكتابة بين يديه فى الوحى و غير ذلك لا عمل لهما غير ذلك۔** (جوامع السیر ص ۲۷)

حضرت زید بن ثابت کتابت وحی پر سب سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لگے رہے فتح مکہ کے بعد پھر حضرت معاویہ نے بھی اس کام کو لازمی درجہ میں اختیار کرلیا یہ دونوں حضرات حضور کے سامنے ہر وقت موجود رہتے کہ کتابت وحی ہو یا حضور کی کوئی بات یہ دونوں لکھ لیا کرتے اس کے علاوہ ان دونوں کو کوئی کام نہیں تھا۔

علامہ ابن حجر الہیثمی المکی فرماتے ہیں:۔ **قال المدائنى : كان زيد بن ثابت يكتب الوحى و كان معاوية يكتب للنبى ﷺ فيما بينه و بين العرب اى من وحى و غيره فهو امين رسول الله ﷺ على وحى ربه۔** (تطہیر الجنان ص ۱۰)

مدائنی کہتے ہیں کہ زید بن ثابت کاتب وحی تھے اور سیدنا امیر معاویہ کتابت وحی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل عرب کے درمیان خطوط بھی لکھا کرتے تھے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رب کی وحی کے امین تھے۔

مشہور زمانہ کتاب فتوح البلدان ص ۴۷۷ پر موجود ہے:۔ **دخل الاسلام و فى قريش سبعة عشر رجلا كلهم يكتب عمر بن الخطاب، على بن ابى طالب، عثمان بن عفان، ابو عبيده ابن الجراح، طلحه، يزيد بن ابى سفيان، ابو سفيان بن حرب**

بن امیہ، معاویہ بن ابی سفیان۔

جب اسلام آیا تو قریش میں سترہ افراد ایسے تھے جو نوشت وخواند کا فن جانتے تھے ان افراد میں سے حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت طلحہ، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت معاویہ۔

ان کاتبین میں حضرت امیر معاویہؓ کو خصوصی مقام حاصل تھا، جیسا کہ مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم رقم فرماتے ہیں:۔

دینی علوم کے علاوہ عرب میں مروجہ علوم میں بھی امیر معاویہ ممتاز درجہ رکھتے تھے چنانچہ کتابت جس سے عرب تقریباً نا آشنا تھے امیر معاویہ کو پوری مہارت تھی اسی وصف کی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر کیا تھا۔(سیر الصحابہ ۶/۱۳۱)۔

اللہ ہدایت دے ان نام نہاد محققین کو جنھوں نے حضرت امیر معاویہ کو کاتبین وحی کی فہرست سے خارج کر دیا ہے، اور بزعم خویش محقق بھی ہیں، ان حضرات کے احوال ناگفتہ بہ پر نظر ڈال کر اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نہ تو کوئی ماقبل و مابعد کا محقق معیار ہے نہ کسی کی بات لائق اعتبار بلکہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی بے سند باتیں ہی معیار ہیں، جس کو یہ معیار بتا دیں وہ معیار جس کو خارج کر دیں اس کو ابن حجر عسقلانیؒ شارح بخاری جیسے محدثین بھی قابل معیار نہیں قرار دے سکتے۔

خدانخواستہ اگر ان کی تحقیقات ایسے ہی آتی رہیں جس کی وجہ سے ضلالت کے اندھیروں میں رجماً بالغیب اپنے کام میں لگے رہے تو ان آیات قرانیہ کو بھی مشق ستم بنائیں جن سے جملہ حضرات صحابہ کرام کا تقدس عیاں ہوتا ہے، اور رب العالمین کو بھی مشورہ دے بیٹھیں کہ آپ نے آمنوا کما آمن الناس ارشاد فرما کر تمام صحابہ کو معیار ایمان قرار دے دیا حالانکہ ان میں سے بعض کی فضیلت تو ممکن ہی نہیں ہو سکتی، کاش کہ یہ محققین بے تحقیق تقریب التہذیب، تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب و دیگر جرح وتعدیل کی کتابوں پر نظر

ڈال لیتے کہ ان محققین نے اپنی جرح کا نشتر اسی وقت تک باقی رکھا جب تک کہ صحابی کا نام نہ آیا ہو، لیکن جیسے ہی صحابی کا نام آتا ہے تو ہر محدث صرف ایک جملہ لکھنے میں اپنی عافیت تصور کرتا ہے **الصحابة كلهم عدول۔**

صحابہ کرام کے بارے میں بدگوئی کرنے والے حضرات کی خدمت میں خطیب بغدادی کی ایک عبارت پیش ہے:

اذا رایت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فاعلم انہ زندیق لان الرسول عندنا حق و انما ادی الینا ھٰذا القرآن و السنن اصحاب رسول اللہ ﷺ و انما یریدون ان یجرحو شھودنا لیبطلو الکتاب و السنة الجرح بھم اولی فھم زنادقه۔

جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی کی توہین کررہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے، کیونکہ رسول خدا ہمارے نزدیک برحق ہیں، اور قرآن برحق ہے، اور ہم تک یہ قرآن اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ذریعہ پہنچی ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کردیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل کرسکیں، حقیقت یہ ہے کہ خود ان کو مجروح کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہی زندیق ہیں۔

صحابہ پر تنقید کرنے والے اور حضرت امیر معاویہ کو کاتبین وحی کے زمرے سے نکالنے والے خطباء ومفکرین خطیب بغدادی کی یہ عبارت کئی بار توجہ سے پڑھیں، امید ہے کہ ہدایت کا چراغ روشن ہوجائے گا۔

فتاوی

انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سوال : (الف) منگنی یا شادی کے موقع پر دی گئی اشیاء یا روپیہ، زیوارت کی، دولہا دلہن اور ہر دو طرفہ اقرباء کے لیے کیا حیثیت ہوتی ہے؟

(ب) طلاق کی صورت میں جانبین کے لیے ان اشیاء وغیرہ کی واپسی جائز ہے یا نہیں؟

(ج) خلع کی صورت میں لڑکی والوں کی طرف سے دی گئی تمام اشیاء ورقم وغیرہ کی واپسی کی شرط اور ہر دو طرفہ لین دین صحیح ہوگا یا نہیں؟ جب کہ دولہا کو دی گئی نقد رقم ہدیہ کی صورت میں ہے، گواہ کے طور پر دلہن کے باپ نے جب رخصتی کے وقت نقد ہدیہ پیش کیا دولہے کو تو اس وقت دولہے کے چچا اور دولہے کے باپ موجود تھے۔

(د) اگر ہر دو جانب سے دیئے گئے اعراض کی واپسی اور طلاق دینے کی شرط پر اتفاق وصلح ہوجائے تو کیا دونوں میں سے ہر ایک کے لیے یہ لین دین صحیح ہوگا؟ جب کہ دولہا کو دی گئی نقد رقم میں لفظ ہدیہ کی وضاحت موجود ہے؟

(ہ) لڑکے والوں کے رشتہ داروں نے دولہن کو منھ دکھائی میں جو نقد انگوٹھی وغیرہ دیئے تھے اب طلاق یا خلع کے بعد لڑکے والوں کو واپس لینا جائز ہے یا نہیں؟

(و) لڑکے کو جو نقد رقم دی گئی ہے دولہن کے باپ کی طرف سے اگر لفظ ہدیہ نہیں بھی کہا گیا تو اس کو واپس لینا دولہن کے باپ کو جائز ہے یا نہیں؟

جواب : شادی بیاہ کے موقع پر بہت سی چیزیں دی جاتی ہیں ان میں سے بعض چیزیں تو دولہا و دلہن کے لیے مخصوص ہوتی ہیں، بعض چیزیں طرفین کے اعزاء واقرباء کے لیے مخصوص ہوتی ہیں، کچھ چیزیں کھانے، پینے اور پہننے کی ہوتی ہیں اور بعض چیزیں عام ہوتی

ہیں، سب کا حکم یکساں نہیں بلکہ مختلف ہے طلاق وغیرہ کے موقع پر ان کا حکم الگ الگ ہوتا ہے اس لیے ایک اصولی واجمالی جواب لکھا جاتا ہے۔

(۱) منگنی یا شادی کے موقعہ پر جو چیزیں خاص دولہے کو دی جاتی ہیں مثلاً گھڑی، موٹر سائیکل، نقد رقم، کپڑا وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بطور ہدیہ وملک ہوتی ہیں، طلاق وغیرہ کے بعد اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔

(۲) وہ چیزیں جو دولہے کے والدین وغیرہ کو دی جاتی ہیں مثلاً نقد رقم یا کپڑا وغیرہ یہ سب بھی بطور ہدیہ وملک ہوتا ہے ان کی واپسی بھی جائز نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح کھانے پینے اور پہننے اور گھریلو استعمال کی عام اشیاء ان کا واپس لینا بھی درست نہیں۔

(۴) جو چیزیں لڑکی والا خاص اپنی لڑکی کو دیتا ہے مثلاً سامان جہیز، زیورات وغیرہ وہ سب لڑکی کی ملک ہوتی ہیں بصورت تفریق لڑکی اس کو واپس لے سکتی ہے۔

(۵) اسی طرح لڑکے کے رشتہ دار وغیرہ لڑکی کو منہ دکھائی کے طور پر جو کچھ دیتے ہیں وہ لڑکی کی ملک ہوتی ہے لڑکے کے لیے اس کو واپس لینا جائز نہیں۔

(۶) لڑکے والوں کی طرف سے جو زیورات وغیرہ لڑکی کو دئے جاتے ہیں اس میں اگر ہدیہ کی صراحت ہو تو وہ لڑکی کے لیے ہدیہ ہے، لڑکی ہی اس کی مالک ہے اس کو واپس لینا درست نہیں اور اگر عاریت کی صراحت ہے تو لڑکے والے اس کے مالک ہیں، بصورت تفریق واپس لے سکتے ہیں، اور اگر کوئی صراحت نہ ہو تو پھر اس علاقہ کے عرف کا اعتبار ہوگا اگر عرف ہدیہ کا ہے تو لڑکی سے واپس لینا جائز نہیں اور اگر عرف عاریت کا ہے تو پھر واپس لینا جائز ہے۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM SAHARANPUR



Rs. 15/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com